© rasailojaraid.com

علم مناظرہ اور مروّجہ مناظرے

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

مبلّغین اسلام کو مذاہب باطلہ کے مقابلہ میں اور کبھی آپس میں ہی افہام وتفہیم اور احقاقِ حق کے لیے مباحثہ و مناظرہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے، جس کے جواز پر دیگر آیاتِ کریمات کے علاوہ سورۃ النحل کی آیت ۱۲۵، کے الفاظ ”وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“ سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

لفظ ”جَادِلْ“ مجادلہ (باب مفاعلہ) سے امر کا صیغہ ہے یہاں اس سے مراد بحث و مناظرہ ہے۔ قرآن مجید میں ”المجادلہ“ کے نام سے ایک سورت بھی ہے جس کے معنی بحث وتکرار کے ہیں۔ جب کہ ”مُجَادِلہ“ کی صورت میں بحث وتکرار کرنے والی کے ہیں۔

”الجدال“ کے معنی جھگڑنا اور ایسی گفتگو کرنے کے ہیں جن میں طرفین ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں، اصل میں یہ لفظ ”جَدَلْتُ الْحَبْلَ“ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں رسی کو مضبوط بٹنا اور ”الجَدِیْل“ بٹی ہوئی رسی کو کہا جاتا ہے، اسی سے ”الجدال“ جھگڑنا ہے۔ کیونکہ جھگڑنے والے بھی ایک دوسرے کو اس کی رائے سے اس طرح پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ رسی کو پیچ دیا جاتا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اصل میں ”جدال“ کے معنی ”صراع“ یعنی ایک دوسرے کو سخت زمین (جدالہ) پر پچھاڑ دینا کے ہیں اور اسی سے ”جدال“ بمعنی جھگڑنا لیا گیا ہے۔

اسی جھگڑے اور بحث کے لیے ”علم الجدل“ اور علم مناظرہ (جو ”آداب البحث“ کے نام سے بھی موسوم ہے) وضع کیے گئے ہیں۔ ”علم الجدل“ نظری علوم کی ایک فرع ہے اور یہ علم فریقِ مخالف کے دلائل توڑنے اور اسے زچ کردینے کا ملکہ حاصل کرنے کے طریقوں سے بحث کرتا ہے۔

”علم الجدل“ اور علم مناظرہ میں ایک باریک فرق ہے۔ وہ یہ ہے کہ علم الجدل علوم دینیہ کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ مناظرہ ہر طرح کے علمی میدان میں دو چیزوں کے درمیان جانبین سے فکر ونظر کا موازنہ کرنے کے ہیں، تا کہ صحیح بات ظاہر ہو جائے۔

”صاحب کشف الظنون“ ملّا کاتب چلپی مولیٰ ابوالخیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے کہا بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس ”جدل“ سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا چاہیے، جو اکابر علماء کے ختم ہونے کے بعد ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ (جدل ومناظرہ) انسان کو فقہ سے دور پھینک دیتا ہے، عمر کی بربادی کا سبب بنتا ہے اور آپس میں نفرت وعداوت پیدا کرتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جو قیامت کی علامات میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور اللہ جزائے خیر دے اُسے جس نے یہ کہا ہے کہ:

اَرَیٰ فُقَھَاءَ ھٰذَا الْعَصْرِ طَرّاً — اَضَاعُوا الْعِلْمَ وَاشْتَغَلُوْا بِلِمَ لِمَ

اِذَا نَاظَرْتَھُمْ لَمْ تَلْقَ مِنْھُمْ — سِوَیٰ حَرْفَیْنِ لِمَ لِمَ ، لَا نُسَلِّم

یعنی میں اس زمانے کے فقہاء کو دیکھتا ہوں کہ سب نے علم کو ضائع کر دیا اور لِمَ لِمَ (چوں چراں میں پڑ گئے) جب تم ان سے مناظرہ کرو گے تو سوائے دو حرفوں کے اور کچھ نہ پاؤ گے، یعنی ''لِمَ لِمَ لَا نُسَلِّم'' کیوں کیوں؟ ہم نہیں مانتے۔ (بحوالہ تاریخ افکار و علوم اسلام حصہ دوم، صفحہ ۲۷۰۔ مؤلفہ علاّ مہ راغب الطباخ۔ مترجم: مولانا افتخار احمد بلخی)

''صاحب کشف الظنون'' آداب البحث یعنی علم مناظرہ کی تعریف، مبادی اور غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ وہ علم ہے جس میں اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ مناظرہ کرنے والوں کو اپنے اپنے دعوں کے مقدّمات و براہین کس طرح ترتیب دینے چاہییں۔ اس کا موضوع دلائل ہیں، اس حیثیت سے کہ ان سے فریق مخالف پر اثبات مدعا کیا جاتا ہے اور اس کے مبادی ایسے اُمور ہیں جو بجائے خود واضح ہوتے ہیں۔ اور اس کی غرض و غایت مناظرہ کے طریقوں کا ملکہ حاصل کرنا ہے تا کہ بحث میں گڑ بڑ پیدا نہ ہو اور صحیح بات واضح ہو جائے۔'' (حوالہ مذکور بالا، صفحہ ۲۶۵)

''مناظرہ'' اور ''مکابرہ'' (یعنی ضد و ہٹ دھرمی) اور مقبول و مردود میں امتیاز پیدا کرنے اور اصل مقصد کے حصول کے لیے علماءِ کرام نے ''آداب البحث'' کے نام سے شرائط و اصول اور قواعد و ضوابط وضع کیے ہیں۔ جس کا لحاظ نہ کرنے سے مناظرہ ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اس سے نفع کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمت اللہ علیہ ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ'' (النحل، ۱۲۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اچھے طریقے سے یہ مُراد ہے کہ گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے۔ دلائل ایسے پیش کیے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے۔ دلیل میں وہ مقدمات پیش کیے جائیں جو مشہور و معروف ہوں تا کہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور وہ ہٹ دھرمی کے رستہ پر نہ پڑ جائے اور قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر شاہد ہیں کہ یہ احسان فی المجادلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اہل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ قرآن کا ارشاد ہے: ''وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ'' (العنکبوت، ۴۶) اور دوسری آیت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ''فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا'' کی ہدایت دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ فرعون جیسے سرکش کافر کے ساتھ یہی معاملہ کرنا ہے۔ آیت مذکورہ میں دعوت کے لیے تین چیزوں کا ذکر ہے۔ اوّل حکمت، دوسرے موعظۃ حسنہ، تیسرے مجادلہ بالتی ہی احسن......
>
> ظاہر یہ ہے کہ آداب دعوت ہر ایک کے لیے استعمال کرنے ہیں کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے۔ پھر اس کلام میں خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل سامنے لانا ہے جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے اور طرز بیان و کلام ایسا مشفقانہ و نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

البتہ صاحب روح المعانی نے اس جگہ ایک نہایت لطیف نکتہ یہ بیان فرمایا کہ آیت کے نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت۔ تیسری چیز ''مجادلہ'' اصولِ دعوت میں داخل نہیں، ہاں طریقِ دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصول دعوت دو چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت۔ جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہیے، خواہ علماء و خواص کو ہو یا عوام الناس کو۔

البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو شکوک واوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث ومباحثہ پر آمادہ ہیں تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔'' (معارف القرآن، جلد پنجم، صفحہ ۴۲۲۔۴۲۱)

مذکورہ اصول وآداب سے ناآشنا ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلّغ اپنی دعوت کے لیے اس ''دعوت'' کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرررساں ہوسکتا ہے۔ اگر اس کے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا اندازِ خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص اور للّٰہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفّر کر دے گا۔ کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ ہی جبر واکراہ سے کام لیا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے ''جدال'' کے ساتھ ''حسن'' کی بجائے ''احسن'' کی قید لگا کر واضح کر دیا کہ اس جدال کی نوعیت محض مناظرہ بازی اور عقلی کشتی اور ذہنی دنگل کی نہ ہو، اس میں کج بحثیاں، الزام تراشیاں، چوٹیں اور پھبتیاں نہ ہوں، اس کا مقصود حریف مقابل کو چُپ کرا دینا اور اپنی زبان آوری کے ڈنکے بجا دینا نہ ہو، بلکہ اس میں شیریں کلامی ہو۔ اعلیٰ درجے کا شریفانہ اخلاق ہو، معقول اور دل لگتے دلائل ہوں۔ مخاطب کے اندر ضد اور ہٹ دھرمی پیدا نہ ہونے دی جائے اور جب محسوس ہو کہ وہ کج بحثی پر اُتر آیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وُہ گمراہی میں اور زیادہ دور نہ نکل جائے۔

جب مناظرہ سے مقصود مخاطب پر غلبہ پانا، دوسرے کو ساکت وخاموش کرنا، لوگوں میں اپنی فصاحت و بلاغت، خوش تقریری، اپنے فضل وشرف کا اظہار اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا ہو تو ایسا مناظرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مذموم اور شیطان کے نزدیک تمام محمود عادات کا منبع وسرچشمہ ہوتا ہے۔

جس طرح شراب ''اُمّ الخبائث'' ہونے کی حیثیت سے دوسرے بڑے بڑے جسمانی گناہوں کا ذریعہ اور سبب ہے اسی طرح ایسا مناظرہ بھی باطنی اعراض کے لیے ''اُمّ الخبائث'' کا درجہ رکھتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مناظر بہت سے روحانی جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ مثلاً حسد، بغض، تکبّر، غیبت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، اس کی ذلت وایذا سے فرحت اور بھلائی سے رنجیدگی، قبول حق سے استکبار، دوسرے کے دلائل پر انصاف کے ساتھ غور کرنے کے بجائے محض جواب دہی کی فکر خواہ اس مقصد کے حصول کے لیے قرآن وسنّت کی نصوص میں کتنی ہی تاویلات فاسدہ کیوں نہ اختیار کرنی پڑیں۔ (ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین، جلد اوّل۔ باب العلم، بیان آفات المناظرہ......)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''علم میں جدال اور جھگڑا نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سُنّت کا علم ہوگیا وہ حفاظت سُنّت کے لیے جدال کرسکتا ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردے، پھر وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرلے۔(اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، جلد اوّل ،صفحہ ۱۵)

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بحوالہ امام مالک فرماتے ہیں کہ:

''ایک جھگڑا تو جسمانی ہوتا ہے جس میں ہاتھا پائی ہوتی ہے اور ایک جھگڑا پڑھے لکھے لوگوں کا اور علماء کا ہوتا ہے۔ وہ ہے مجادلہ، مناظرہ اور بحث ومباحثہ۔ ایک عالم نے ایک بات پیش کی۔ دوسرے نے اس کے خلاف بات کی اس نے ایک دلیل دی، دوسرے نے اس کی دلیل کو رد لکھ دیا۔ سوال وجواب اور رد وقدح کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔ اس کو بھی بزرگوں نے کبھی پسند نہیں فرمایا ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے باطن کا نور زائل ہو جاتا ہے۔

دیکھیے ایک تو ہوتا ہے ''مذاکرہ'' مثلاً ایک عالم نے ایک مسئلہ پیش کیا دوسرے عالم نے کہا اس مسئلہ میں مجھے فلاں اشکال ہے۔ اب دونوں بیٹھ کر افہام وتفہیم کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں لگے ہوئے یہ ہے ''مذاکرہ'' یہ بڑا اچھا عمل ہے۔ لیکن یہ جھگڑا کہ ایک عالم نے دوسرے کے خلاف ایک مسئلے کے سلسلے میں اشتہار شائع کر دیا یا کوئی پمفلٹ یا کوئی کتاب شائع کر دی۔ اب دوسرے عالم نے اس کے خلاف کتاب شائع کر دی اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا، یا ایک عالم نے دوسرے کے خلاف تقریر کر دی اور یوں ''مخالفت برائے مخالفت'' کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ ہے ''مجادلہ اور جھگڑا'' جس کو ہمارے بزرگوں نے، ائمہ دین نے بالکل پسند نہیں فرمایا۔''

خود حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ:

''جب میں دار العلوم دیوبند سے درس نظامی کر کے فارغ ہوا تو اس وقت مجھے باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے، کبھی غیر مقلدین سے تو کبھی بریلویوں سے، کبھی ہندوؤں سے اور کبھی سکّوں سے مناظرے کرتا رہا۔ لیکن بعد میں، میں نے مناظرہ سے توبہ کر لی۔ اس لیے کہ تجربہ ہوا کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اپنی باطنی کیفیات پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

بہر حال ہمارے بزرگوں نے حق وباطل کے درمیان بھی مناظرے کو پسند نہیں فرمایا تو پھر اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر یا دنیاوی معاملات کی بنیاد پر مناظرہ کرنا اور لڑائی جھگڑا کرنے کو کیسے پسند فرما سکتے ہیں؟ یہ جھگڑا ہمارے باطن کو خراب کر دیتا ہے۔'' (اصلاحی خطبات، جلد ۶۔ ص ۱۴۸ تا ۱۵۰، ناشر میمن اسلامک پبلشرز، کراچی)

قرآن کریم میں ''مجادلہ'' اچھے اور برے دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایک مجادلۂ احسن اور دوسرا مجادلۂ باطل۔

مجادلہ کے اچھے معنی کسی سے اپنی بات حسنِ ادب، محبت، اعتماد، حسنِ گزارش، تدلّل اور الحاح واصرار کے ساتھ منوانے کی کوشش کرنے کے ہیں اس میں جھگڑنا محبت اور اعتماد کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح چھوٹے اپنی کوئی بات اپنے کسی بڑے سے اس کی شفقت پر اعتماد کر کے منوانے کے لیے جھگڑتے ہیں۔ اس مجادلۂ محبت کی بہترین مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مجادلۂ ہے جو انہوں نے قومِ لوط کے باب میں اپنے رب سے کیا ہے اور اللہ نے اس کی تحسین فرمائی ہے (سورہ ہود ۷۴) نیز خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا مجادلہ جو انہوں نے اپنے شوہر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے رب سے کیا۔ (سورۃ المجادلہ ۱)

مجادلۂ احسن کا علمی طریقہ قرآن نے یہ بتایا ہے کہ مخاطب سے لڑائی کرنے کے بجائے اس بات کی کوشش کی جائے کہ جن اصولوں میں اس کے ساتھ اتحاد واشتراک ہے اور جن کو تسلیم کرنے سے اس کو انکار نہیں ہے ان کو اس کے سامنے واضح کیا جائے تاکہ وہ داعی کی بات سننے کی طرف راغب ہو۔ اور وہ اس کی دلسوزی، اس کے بے لوثی اور اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاص سے متاثر ہوکراس کی بات کی صداقت پر غور کرنے اوراس کوتسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اور مناظرہ بھی نقل کیا ہے، جس کو ''محاجّہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے زمانے کے بادشاہ سے کہا کہ ''میرا رب وہ ہے جو مارتا ہے اور جلاتا ہے'' اس کے جواب میں بادشاہ نے کہا کہ ''میں بھی مارتا اور جلاتا ہوں'' اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ''میرا پروردگار سورج کومشرق سے نکالتا ہے تواس کو مغرب سے نکال''

اس مناظرہ کواگر موجودہ فن مناظرہ کے اصولوں پر پرکھا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی اچھے مناظر ثابت نہ ہوں گے، کیونکہ وہ بادشاہ کے اس قول پر کہ ''میں مارتا ہوں اور جلاتا ہوں'' بہت کچھ معارضہ کر سکتے تھے جوانہوں نے نہیں کیا۔ حالانکہ ایک مناظر کی حیثیت سے یہی مقام ان کے مورچہ لگانے کا تھا لیکن انھوں نے ایک مناظر کے اصول جنگ کے بالکل خلاف اس نقطہ سے ازخود پسپائی اختیار کی، اور جونہی محسوس فرمایا کہ یہ شخص مناظرہ اوراپنی بات سچ کرنے پر تل گیا ہے، وہ ایک مُسکت بات کہہ کرفوراً علیحدہ ہو گئے جس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر داعیٔ حق کومخاطب کے متعلق یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ بات کوسننا اور سمجھنا نہیں چاہتا بلکہ معارضہ اور مناظرہ پراتر آیا ہے تو اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے بلکہ مزید گفتگو کو ختم کر دینا چاہیے، لیکن اس کے برعکس آج کل کے مناظرینِ اسلام نے اس پیغمبرانہ اُسوہ کو چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے ان کی دعوت وتبلیغ بے اثر ہوکر رہ گئی ہے۔

تقریر و مناظرہ میں غصہ کا اظہار، مخالف ومقابل پر فقرے چست کرنا اور پھبتیاں کسنا ہی بڑا کمال سمجھا جاتا ہے جو اسے اور زیادہ ضد اور عناد کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس ''مجادلہ'' کو باطل قرار دے کر اسے کفار اور معاندین کی طرف منسوب کیا ہے۔ حتیٰ کہ اہل کتاب کے ساتھ بھی اس قسم کے ''مجادلہ'' سے واضح الفاظ میں منع کر دیا گیا ہے: ''وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ'' (العنکبوت، ۴۶) اور نہ مناظرہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طریق سے جو بہتر ہے۔

علاوہ ازیں ''علماءِ حق'' کے مروّجہ مناظروں میں جن کے اکھاڑے وہ آئے دن جماتے رہتے ہیں ان میں مجادلۂ باطل کی تمام خصوصیات (یعنی اپنی ہی بات پر بلا کسی معقول دلیل کے اصرار، غیر متعلق باتوں میں اصل مسئلہ کو الجھانے کی خواہش اور خلط مبحث، کج بحثیوں میں تضیّع وقت، اپنے حریف کی معقول بات کو نہ خود سننا اور نہ کسی دوسرے کو سننے دینا اور لایعنی موشگافیاں اور بے نتیجہ زبان درازیاں وغیرہ) پائی جاتی ہیں جن سے قرآن کریم نے اہلِ حق کو نہ صرف سختی کے ساتھ منع کیا ہے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کردی ہے کہ: ''وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ'' (حٰمٓ السجدۃ، ۳۴) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ لیکن صد افسوس کہ اپنے آپ کو علماءِ حق اور علمائے دیوبند کی طرف منسوب کرنے والے ''علماء'' بھی کتاب وسُنّت کے حرام ٹھہرائے ہوئے ''مجادلۂ باطل'' میں ''علماءِ سوء'' سے بھی سبقت لے گئے ہیں۔

پبلک مقامات کے علاوہ مساجد ومدارس جیسے مقدس اداروں میں منعقدہ ''تحفظ سُنّت، فتح مبین، عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شہید حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، آوازِ حق اور ترجمانِ حق'' کے عنوانات سے معنون اور مناظرہ کی چیلنج بازیوں پر مشتمل ان کانفرنسوں میں اکابر علماء ومشائخ کی موجودگی وسرپرستی میں خود ''علماء کرام'' کی طرف سے طعن وتشنیع،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب وشتم، تحقیر وتذلیل، الزام تراشیوں اور بہتان طرازیوں کے علاوہ ایسی فحش اور گندی زبان استعمال کی گئی ہے جس کی توقع کسی غیر مسلم مہذّب انسان سے بھی نہیں رکھی جا سکتی۔

اس پر مستزاد یہ کہ خود علماء کرام کے اہتمام سے ان کانفرنسوں اور مناظروں پر مبنی ''آڈیو اور ویڈیو سی ڈیز'' کثیر تعداد میں ملک اور بیرون ملک پہنچا کر ''تبلیغ'' کا فریضہ خوب ادا کیا گیا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس ''خالص دینی'' پروگرام کو بھی گھر کی خواتین کے ساتھ مخلوط ''یورپی ماحول'' اپنائے بغیر ملاحظہ نہیں کیا جا سکتا۔ اہل تحقیق مزید معلومات کے لیے مولانا نصر اللہ خان راشد اور مولانا محمد ایوب طوفانی صاحب آف گجرانوالہ (جہاں اس صدی کا سب سے بڑا اکھاڑا جمایا گیا) کی طرف مراجعت فرمائیں۔

زیر نظر مضمون کا اختتام مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمت اللہ علیہ کے حسبِ ذیل فکر انگیز اقتباس کے ساتھ کیا جاتا ہے:

> ''حقیقت یہ ہے کہ دعوت واصلاح کا کام انبیاء یا ان کے وارث ہی کر سکتے ہیں۔ جو قدم قدم پر اپنا خون پیتے ہیں اور دشمن کی خیر خواہی اور ہمدردی میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی رفتار وگفتار میں کسی مخالف پر طعن وتشنیع کا شائبہ نہیں ہوتا، وہ مخالف کے جواب میں فقرے چست کرنے کی فکر نہیں کرتے، وہ ان پر الزام تراشی کا پہلو اختیار نہیں کرتے اسی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ چند روز کی مخالفتوں کے بعد بڑے بڑے سرکشوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑتا ہے، ان کی بات کو ماننا پڑتا ہے۔ آج افسوس یہ ہے کہ ہم اسوۂ انبیاء سے اتنے دور جا پڑے کہ ہمارے کلام وتحریر میں ان کی کسی بات کا رنگ نہ رہا۔
>
> آج کل کے مبلغ ومصلح کا کمال یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مخالف پر طرح طرح کے الزام لگا کر اس کو سروا کرے اور اپنے فقرے چست کرے کہ سننے والا دل کو پکڑ کر رہ جائے۔ اسی کا نام آج کی زبان میں زبان دانی اور اردو ادب ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
>
> اللہ تعالیٰ تو اپنے انبیاء کو جب مقام دعوت پر کھڑا کرتے ہیں تو موسیٰ وہارون علیہما السلام جیسے اولوالعزم پیغمبروں کو فرعون جیسے سرکش کافر کی طرف بھیجنے کے وقت یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں: ''**قُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى** '' فرعون سے بات نرم کرو شاید وہ رستہ پر آجائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے۔
>
> آج ہمارے علماء اور مصلحین ومبلغین میں کوئی حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے زیادہ ہادی اور رہبر نہیں ہو سکتا، اور ان کے مخاطب فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں ہو سکتے، تو ان کے لیے کیسے روا ہو گیا کہ جس سے ان کا کسی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی پگڑی اُچھالیں اور ٹانگ کھینچنے کی فکر میں لگ جائیں اور استہزاء وتمسخر کے ساتھ اس پر فقرے چست کریں اور پھر دل میں خوش ہوں کہ ہم نے دین کی بڑی خدمت انجام دی ہے، اور لوگوں سے اس کے متوقع رہیں کہ ہماری خدمت کو سراہیں اور قبول کریں۔ یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر سے اور پھر خیر خواہی وہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلانا ہے اور آخر میں ''مجادلہ بالتی ہی احسن'' یعنی حجّت ودلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش ہے۔ جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء وتمسخر، اس کو زیر کرنے کے لیے جھوٹے سچے، ناجائز، جائز ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا، جس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدل اور جھگڑا وفساد تھا۔''
>
> (وحدتِ اُمّت، صفحہ ۳۹، ۵۷۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

© rasailojaraid.com